حضرت الاستاذ

مولانا ریاست علی ظفر بجنوری نوراللہ مرقدہٗ کی یاد

تحریر: مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری
مفتی واُستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جس وقت دارالعلوم میں صد سالہ عالمی اِجلاس ہوا اور اُس کی افتتاحی نشست میں پوری شان وشوکت کے ساتھ دارالعلوم کا ترانہ:

”یہ علم وہنر کا گھوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے“

پڑھا گیا، تو سننے والا ہر شخص جھوم اُٹھا اور ہر طرف اِس ترانہ کی دھوم مچ گئی، الفاظ کی چست بندش، تاریخ کے تناظر میں معانی کی جامعیت، اَشعار کی صورت میں فکرِ دیوبند کی بھرپور ترجمانی اور دارالعلوم سے وابستہ بلند مرتبہ شخصیات کے پاکیزہ اور برمحل تذکرے نے اِس ترانہ کو جو قبولیتِ عامہ عطا کی، اس کی نظیر نہیں ملتی، ہم جیسے کتنے ہی لوگوں کے حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ سے تعارف کا ذریعہ یہی ترانہ بنا۔ وہ ہمارا بے شعوری کا زمانہ تھا اور ہم مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں زیرِ تعلیم تھے؛ مگر اسی وقت سے اس ترانہ کے ذریعہ صاحبِ ترانہ سے اُنسیت دل میں پیدا ہوچکی تھی۔ پھر ۱۴۰۲ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں قدم رکھا تو صد سالہ کے بعد بلاخیز طوفان کے بعد دارالعلوم ترقی کی نئی منزلوں کی طرف گامزن تھا، تعلیم سمیت تمام شعبوں میں اصلاحات کا عمل تیزی سے جاری تھا، گویا اِس تاریخی ورثہ کی تزئین وتحسین کا مشن چل رہا تھا، اندازہ ہوا کہ اس مشن میں جن حضرات کو فعالیت کا درجہ حاصل ہے، اُن میں اور حضرات کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا کردار بھی خاصا نمایاں تھا۔

دارالعلوم میں طلبہ کی انجمنیں اُن کی صلاحیتیں نکھارنے میں اہم کردار اَدا کرتی ہیں، اُن میں

’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ اپنی الگ شان رکھتا ہے، دارالعلوم میں اس کی ذمہ داری جب رفیق محترم مولانا معزالدین احمد (حال ناظم امارتِ شرعیہ ہند) اور اِس ناکارہ کے سرآئی، تو اُس کے سرپرستوں میں حضرت الاستاذ بھی شامل تھے، اِس بہانے حضرت کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری ہونے لگی، حضرت والا مدنی دارالمطالعہ کی سرگرمیوں میں خوب دلچسپی لیتے اور اُس کے پروگراموں پر دل کھول کر حوصلہ افزائی فرماتے۔

ایک مرتبہ ہم لوگوں نے حضرتؒ کی صدارت میں ’’ردِ مودودیت‘‘ پر دارالحدیث تحتانی میں ایک خصوصی پروگرام منعقد کیا، حضرت از اوّل تا آخر شریک رہے اور بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اِس ضمن میں ایک واقعہ ہم لوگ کبھی بھول نہیں سکتے؛ ہوا یہ کہ ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ کے سالانہ اختتامی اجلاس میں ایک سال کافی تاخیر ہوگئی، رجب کا مہینہ شروع ہوچکا تھا اور طلبہ کی توجہ امتحان کی تیاریوں کی طرف ہوگئی تھی، ایسے میں اجلاس کو کامیاب بنانا اور طلبہ کی شرکت کو یقینی بنانا بڑا دشوار تھا، اِس لیے ذہن میں یہ بات آئی کہ مکالمہ کا کوئی ایسا دلچسپ پروگرام رکھا جائے جو طلبہ کی رغبت کا سبب بن سکے؛ چناں چہ ایسے ہی ایک مکالمہ کی تاری کرلی گئی اور اعلان کردیا گیا، مخدوم محترم حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ مہمانِ خصوصی تھے، اجلاس میں دیگر پروگراموں کے ساتھ بڑا دلچسپ مقالمہ بھی پیش ہوا، جو ’’مفتی اور مستفتی‘‘ پر مشتمل تھا؛ مگر مکالمہ ختم ہوتے ہی شریک طلبہ جلسہ سے اُٹھ کر چل دیے اور دارالحدیث فوقانی آدھے سے زیادہ خالی ہوگئی اور ایک عجیب وغریب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ اَناؤنسر نے اِسی دوران حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ کے نام کا اعلان کیا، حضرت مائک پر تشریف لائے اور مختصر خطبہ کے بعد بھرپور خطابی اُسلوب میں یہ جملہ فرمایا: ’’میں کیا کہوں، جن سے کہنا تھا وہ تو جاچکے‘‘ یہ جملہ کچھ ایسے پراثر انداز میں آپ نے فرمایا کہ باہر نکلنے والے جس طالب علم کے کان میں پڑا وہ فوراً واپس لوٹ آیا اور پھر دارالحدیث بھر گئی، اس کے بعد آپ نے اور آپ کے بعد صدر اجلاس حضرت الاستاذ مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب مدظلہٗ نے ڈرامائی مکالموں پر سخت تنبیہ فرمائی اور اس طرز کے مفاسد بیان فرمائے۔ اس کے بعد سے مدنی دارالمطالعہ کے پروگراموں میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی بات اکابر کے طریقہ کے خلاف نہ ہو۔

۱۴۰۹ھ سے ہمیں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں خدمت کا موقع ملا؛ تاہم دیوبند آتے جاتے وقت حضرت الاستاذ سے راہ ورسم برقرار رہی، جب بھی ملاقات ہوتی نہایت مسرت کا اظہار فرماتے اور فرماتے کہ: ’’تمھیں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے‘‘۔ ایک مرتبہ مدرسہ شاہی کے آٹھ سالہ اجلاس

دستار بندی میں آپ کو دعوت دی گئی، شاہی مسجد میں اجلاس جاری تھا، نظامت احقر کے سپرد تھی، ایک واعظ صاحب نے دورانِ بیان سیرت کا ایک واقعہ بیان کیا، جو بظاہر غیر مستند تھا۔ ایک ساتھی کے توجہ دلانے پر احقر نے اپنی حماقت میں اُن کے بیان کے بعد اس واقعہ کی برملا تردید کردی، جو بہر حال اس انداز میں مناسب نہ تھی۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں) حضرت والا مجلس میں موجود تھے اور اگلا بیان آپ ہی کا تھا، آپ نے بیان کا آغاز کچھ اس طرح فرمایا کہ: ''میرے لیے اِس ماحول میں تقریر کرنا مستقل امتحان ہے، جہاں تقریر کے ساتھ لگے ہاتھوں تصحیح بھی ہورہی ہو'' پھر آپ نے مشفقانہ انداز میں نصیحت کی کہ کسی بات کی تردید اور تصحیح میں بھی نرم پہلو پیش نظر رہنا چاہیے کہ دوسرے کو ناگوار نہ گذرے۔ حضرت کی اس نصیحت سے احقر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا اور بعد میں مذکورہ واعظ صاحب سے ندامت کے ساتھ بہت معذرت کی اور موصوف نے بھی بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے دل سے معاف کردیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازیں!

آپ ''ندائے شاہی'' کے مستقل قارئین میں شامل تھے؛ بلکہ پابندی سے اس کا زرِ سالانہ بھی باصرار ادا فرماتے تھے۔ احقر اپنی کوئی تالیف پیش کرتا تو اس کی بھی بڑی قدر فرماتے اور اس کا مطالعہ بھی فرمایا کرتے تھے، کئی تالیفات پر آپ نے گراں قدر تقریظ بھی لکھ کر مرحمت فرمائی، جو احقر کے لیے باعثِ فخر وسعادت ہے۔

حضرت والا گوناگوں اَوصاف وخصوصیات سے متصف تھے، بالخصوص سادگی، اِنسانی ہمدردی، حلم وبردباری، وقار وخودداری میں اپنے ہم عصروں میں خاص امتیاز کے حامل تھے اور تواضع تو آپ کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ آپ سے ملنے والا آپ سے پہلی ہی ملاقات میں بآسانی محسوس کرلیتا تھا، کسی بھی معاملہ میں اپنا امتیاز آپ کو طبعًا پسند نہ تھا؛ بلکہ اس سے بڑی کوفت ہوتی تھی، قادرالکلام خطیب ہونے کے باوجود آپ وعظ وخطابت سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ کوئی شاگرد بہت ہی تقاضا کرتا تو اُس کی دل داری کی خاطر پروگرام میں شرکت منظور فرمالیتے تھے؛ لیکن گفتگو مختصر، پرمغز اور جامع فرماتے تھے، جو حشو وزوائد سے پاک ہوتی تھی۔

یہی حال آپ کے درس کا بھی تھا، آپ جو بھی کتاب پڑھاتے، اُس کا پورا حق اَدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور درس کا انداز ایسا پیارا اور دل موہ لینے والا ہوتا تھا کہ ہر طالب علم آپ سے قریب اور مانوس ہوجاتا اور آپ کی گفتگو سے محظوظ ہوتا تھا۔

عصر کے بعد آپ کے یہاں عام مجلس لگتی تھی، جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، حاضرین

کی چائے سے تواضع کی جاتی، ہلکی پھلکی ظرافت سے آپ کی مجلس زعفران زار بنی رہتی تھی، حالاتِ حاضرہ پر آپ کے برمحل اور بروقت بے تکلف تبصروں سے حاضرین خوب لطف اندوز ہوتے۔

فہم وفراست اور ذکاوت آپ کے چہرے بشرے سے عیاں تھی، اِصابتِ رائے اور فکر کی پختگی ایسی تھی کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ آپ کو مرعوب نہ کرسکتا تھا۔ مردم شناسی بھی بلا کی تھی، کسی آدمی کے صرف ظاہر کو دیکھ کر آپ کبھی متاثر نہ ہوتے، خوشامد اور چاپلوسی کا آپ کی زندگی میں گذر نہ تھا، محض مال کی وجہ سے بڑے سے بڑے سرمایہ دار کا خاص اکرام کرتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا گیا۔ اس کے برخلاف اہلِ صلاح اور اہلِ علم کی تعظیم اور قدر دانی میں کوئی کمی نہ فرماتے؛ بلکہ اُن کی خدمت میں نیازمندانہ حاضر ہوتے تھے۔

حضرت والا کا خاص کر اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کے ساتھ عجیب وغریب شفقت کا معاملہ تھا، اُن کی دینی خدمات اور سرگرمیوں پر دل کھول کر شاباشی دیتے اور بالکل ایک حقیقی باپ کی طرح مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ اکثر آپ کے شاگرد اپنی تالیفات پر آپ سے تقریظ لکھوانے کے متمنی رہتے تھے؛ چناں چہ آپ حوصلہ افزائی کی خاطر کسی شاگرد کی درخواست کو رد نہ فرماتے اور نہایت نپے تلے انداز میں تقریظ تحریر فرما کر ہمت افزائی کرتے تھے۔ بلاشبہ سیکڑوں کتابوں اور رسائل میں آپ کی تقریظات شائع شدہ ہیں۔

اجتماعی معاملات میں آپ ہمیشہ اِدارے کا مفاد مقدم رکھ کر مشورے دیا کرتے تھے؛ چناں چہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نوراللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اہم معاملات میں آپ سے مشورے لیتے تھے اور آپ کی رائے کو وقعت دیتے تھے۔ موجودہ انتظامیہ کے ساتھ بھی آپ کا رویہ ناصحانہ اور خیرخواہانہ تھا۔

اکابر واسلاف کے فکر پر آپ مضبوطی سے قائم تھے اور جادۂ حق سے معمولی انحراف بھی آپ کو پسند نہ تھا۔

جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی فکر سے آپ بچپن سے وابستہ رہے؛ تا آں کہ عمر کے آخری دس سالوں میں جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی نائب صدر کے منصب پر بھی فائز رہے۔ اور جب ''مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند'' کے فقہی اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا، تو جب تک صحت رہی اُن کی نظامت کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوتی تھی، جسے آپ پوری کامیابی سے انجام دیتے تھے۔

آپ کو شعر واَدب کا اصاف ستھرا ذوق بھی عطا ہوا تھا، جو آپ کی فطری ذہانت وذکاوت سے

ہم آہنگ تھا، جس کو اُستاذ الشعراء حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمیؒ کی رفاقت نے دوآتشہ بنادیا تھا؛ چنانچہ آپ کے قلم سے ایسے بلند پایہ پاکیزہ اَشعار صادر ہوئے جو زبان زدِ خاص وعام ہوگئے۔ بالخصوص دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کا بہترین ترانہ آپ کی یادگار ہے، اُن کے علاوہ آپ نے جو نعتیں یا غزلیں لکھیں، اُن سے آپ کی فکری لطافت اور حسن ذوق کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ سب تخلیقات ''نغمۂ سحر'' کے نام سے ۱۴۴ رصفحات پر مشتمل کتاب میں شائع کردی گئی ہیں۔ باذوق حضرات اُس سے محظوظ ہوسکتے ہیں۔

زندگی میں عام طور پر آپ صحت مندرہے، گٹھے ہوئے بدن اور چست اور جفاکش طبیعت کے مالک تھے؛ لیکن اخیر میں شوگر کے عارضہ نے جسم کو گھلا کر رکھ دیا تھا، اِسی کے ساتھ قلب اور گردے بھی شدید متأثر ہوگئے تھے۔ بالآخر یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ نے ۲۳ رشعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ بوقت سحر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنی حسنات لے کر بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہوگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اُسی دن بعد نماز ظہر امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ، صدر جمعیۃ علماء ہند و اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اقتداء میں احاطۂ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور مزار قاسمی میں نم آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا گیا، عوام وخواص کا بڑا مجمع شریک جنازہ تھا اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ:

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

آپ کے تین صاحب زادے ہیں: مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی، مولانا قاری محمد عدنان صاحب قاسمی مقیم حال شکاگو، امریکہ اور مولانا مفتی محمد سعدان صاحب قاسمی اُستاذ معہد اَنور دیوبند۔ ماشاء اللہ تینوں دارالعلوم سے فارغ ہیں اور خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں اور ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

* * *